مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اس ہفتہ بوجہ نزلہ کسی قدر ناساز رہی۔ خدا تعالیٰ حضور کو کامل صحت بخشے ۔

۲۶ جولائی کو حضرت خلیفۃ المسیح کے مشکوئے مبارک میں بڑی بیوی صاحبہ سے دختر نیک اختر تولد ہوئی۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے ۔

تلمیح حجام سکنہ قادیان جسکو احمدی درزیاں عبدالرحیم واحمد الدین کی دوکان سے چوری کرنے کے جرم میں مجسٹریٹ علاقہ رائے صاحب لالہ گھنشام داس صاحب مجسٹریٹ کی عدالت سے ایک سال قید کی سزا ہو چکی ہے۔ اس نے عدالت سشن کورٹ گورداسپور میں اپیل کیا تھا۔ جو خارج ہو گیا ۔

اخبار احمدیہ

جلسہ دعوت میر پور سندھ سے ہمارا ایک نامہ نگار تحریر فرماتے ہیں کہ جمعدار صاحب غلام حسین احمدی۔ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۱۶ء کو فیلڈ پر تشریف لے گئے ہیں۔ جملہ احباب احمدیوں کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ان کی خیر و عافیت سے واپس آنے کے لئے دعا کریں جمعدار صاحب کے جانے سے ایک دن پہلے پلٹن کے صوبیدار صاحب میجر نے جمعدار صاحب کو دعوت دی۔ جس میں سب پلٹنوں کے سردار اور صاحب لوگ مدعو کئے گئے تھے۔ اور فیلڈ پر جانے والا سب ڈرافٹ حاضر تھا۔ صوبیدار صاحب میجر نے ایک بہت ہی عمدہ اور موزون لیکچر پڑھا جسمیں سرکار دولتمدار کی خوبیوں اور رعایا پروری و عدل و انصاف کا ذکر تھا۔ اس کے بعد لڑائی پر جانے والے جوانوں کو سرکار دولتمدار کی نمک حلالی کی ترغیب دیگئی تھی۔ جس کا سامعین پر بہت ہی عمدہ اثر ہوا۔ اس کے بعد حوالدار نواب الدین صاحب احمدی نے کھڑے ہو کر صوبیدار صاحب میجر کے ایما سے گورنمنٹ کی وفاداری اور جمعدار صاحب موصوف کی خدمات پر لیکچر دیا۔ جس کو سامعین نے خاموشی سے سنا۔ اور لیکچر کے اختتام پر چیئرز دئے ۔

درخواست دعا برادرم مکرم غوث محمد صاحب قریشی از گوکئی اپنے بڑے بیٹے محمد عبداللہ صاحب کے لئے جو عرصہ آٹھ سال سے بیمار ہے۔ اور اب اس کی بیماری بہت بڑھتی جاتی ہے۔ تمام احباب سے اسکی صحت کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ احباب خاص طور پر دعا فرما دیں ۔

پورٹ بلیئر کا خط - ایک پادری سے گفتگو

جناب ماسٹر عبدالرحمن صاحب بی - اے - تحریر فرماتے ہیں کہ اس ہفتہ میں جس روز نئے چیف کمشنر صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی۔ اسی روز ایک مسٹر ریورینڈ کلارک مشنری بار جزائر سے ملاقات ہوئی - اور حضرت مسیح ؑ کی وفات پر اور الوہیت مسیح پر دو گھنٹہ تک خوب گفتگو ہوتی رہی - میں نے ان سے عرض کی - کہ آپ مجھے اپنے مذہب کی کوئی خوبی سنائیں ؛

پادری صاحب نے فرمایا - کہ خدا و ند مسیح نے دنیا سے بڑا پیار کیا - کہ اپنی جان ہماری خاطر دیدی -

مسلمان - کیا کسی کے اسطور پر جان دینے سے دوسرے کو فائدہ ہو سکتا ہے - اگر ہو سکتا ہے - تو کیا ؟

پادری - اس سے بڑھکر اور کیا فائدہ ہوگا کہ نجات مل گئی - کیونکہ خدا کے فرزند کی بڑی بھاری قربانی ہم سب کے گناہوں کے لیئے کافی ہوگئی ہے ؛

مسلمان - جو لوگ مسیح پر ایمان لے آئے ہیں وہ بھی اسی طرح گناہوں میں گرفتار ہیں - جسطرح غیر قومیں - اگر بعض نیک افراد ہیں - تو ایسے کم و بیش تو ہر ایک قوم اور ہر مذہب کے پابندوں میں پائے جاتے ہیں -

پادری - مسیح کی قربانی کا فائدہ صرف انہی کو پہنچیگا - جو گناہوں سے بچتے ہیں - اور جو عیسائی ہوکر پھر بھی گناہوں میں مبتلا ہیں - ان کو قربانی کچھ فائدہ نہیں دے سکتا -

مسلمان - یہی تو میں کہتا ہوں - کہ مسیح نے جان دیکر فائدہ کیا پہنچایا - وہ کونسی بات اور خصوصیت ہے جس سے عیسائی قوم ممتاز ہے - اور دوسری قومیں محروم ہیں - بظاہر تو عیسائی صاحبان بھی دیگر لوگوں ہی کی طرح ہیں -

پادری - کتاب مقدس میں دکئی حوالجات دیکر) لکھا ہے - کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ - نجات پاؤگے - خدا کے بیٹے پر ایمان لانا دوسرے لوگوں کو کہاں نصیب ہے -

مسلمان - یہ تو ہر ایک بت پرست دہر مذہب کا پابند کہ سکتا ہے - کہ ہماری کتاب میں لکھا ہے - اسپر ایمان لاؤ - تو نجات پاؤگے - پھر آپ میں اور ان میں کیا فرق ہے - حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینا بھی دعویٰ بے دلیل ہے - اگر کوئی کہے - کہ ہماری کتاب میں ...... ہنگامے یا طوطے کو خدا اور خدا کا بیٹا لکھا ہے - اسپر ایمان لاؤ - تو کیا ہم اسپر ایمان لانے پر مجبور ہیں - مسیح علم میں قدرت میں اور افعال میں اور دیگر انسانی کمزوریوں سے پاک ہوکر خدا کی مانند ہرگز نہیں تھا - اگر زید کا بیٹا اس کی مانند قول فعل اور کردار گفتار میں ہے - تو اُسے اسکا بیٹا کہیں گے - پھر ہم پیار سے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کسی جاندار کو بیٹا کہہ لیا کرتے ہیں - تو کیا وہ درحقیقت ہمارا بیٹا ہوجایا کرتا ہے خدا نے کبھی نکاح نہیں کیا - آج تک کوئی عورت اس کی بیوی نہیں بنی - اور میاں بیوی کے تعلقات بھی سننے میں نہیں آئے - اور نہ خدا کی طرح حضرت مسیح ؑ نے کوئی زمین یا سیارہ بنایا - پھر آپ سے ہم یونہی خدا اور خدا کا بیٹا کسطرح مان لیں ؟ اسطرح تو ہندوؤں اور دیگر اقوام میں بکثرت خدا آپ کو ملیں گے - آپ کا یہ کہنا کہ بائیبل میں ایسا لکھا ہے - یہ حوالہ دیدینا مخالف کو ساکت نہیں کر سکتا - خصوصاً جس صورت میں حضرت ابراہیم ؑ اور یعقوب ؑ اور داؤد ؑ کو اسی بائبل میں خدا کا پلوٹھا بیٹا کہدیا گیا ہے - یہ امر مسیح کی الوہیت اور ابنیت کو خیرباد کہہ رہا ہے - معجزات کی بات بھی معمولی ہے - بعض انبیاء نے ان سے بڑھکر معجزے دکھلائے - دریں حالات ہم ان کو نبی کیوں نہ مان لیں کیونکہ نبیوں ہی کے خواص اور اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں ؛

پادری - کسی نبی نے دنیا کے لئے جان نہیں دی -

مسلمان - اول تو حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا ہی ثابت نہیں - کیونکہ وہ فرماتے ہیں - کہ اس زمانہ کے بدکار لوگوں کو صرف یونس نبی کا ہی معجزہ دکھاؤں گا - چنانچہ یونس کی طرح تین دن رات قبر میں رہ کر گلیل کو گئے - اور باغبان کا بھیس بدل کر حواریوں کے ساتھ کھاتے پیتے رہے - وہ بے چارے تو گریہ و بکا سے دعا کرتے تھے - کہ ممکن ہو - تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جاوے عبرانیوں باب ۵ آیت ۷ میں لکھا ہے - کہ اس نے نہایت درد اور ابتہال سے دعائیں کیں - اور اسی وجہ سے کہ وہ خدا سے ڈرتا - اور متقی تھا - اسلیئے وہ خدا جو اسے بچا سکتا تھا - اس نے اس کی دعا کو سن لیا - (یعنے لعنتی موت سے بچا لیا) ؛

یہ بھی تعجب ہے - کہ یہود جنہوں نے اس قربانی ...

- - - - - - - - - - - - - - - -

کو تیار کیا تھا اور عیسائی دنیا کی نجات کا سامان کیا - بجائے مشکور ہونے کے ان پر خدا کا غیظ و غضب امنڈ رہا ہے ؛

پادری - دیکھو فلاں - فلاں حوالہ سے ظاہر ہے - کہ اُس نے جان دی - وہ مرگئے -

مسلمان - آپ دیکھتے ہیں - کہ میں نے جواب حوالوں سے بتلا دیا - کہ وہ صلیب سے بچ گئے - اب آپ ان کے بالمقابل اور حوالجات پیش کرتے ہیں - اب ایسی کتاب کو ہم کیا کریں جس میں دو متضاد باتیں لکھی ہوئی ہیں - یہی کتاب ہے جسمیں موسیٰ کی وفات کا قصہ اسی کی آخری کتاب میں اسپر الہام کردہ موجود ہے - جو بالبداہت غلط ہے -

پادری - ہم تمام بائبل کے الفاظ کو الہامی نہیں سمجھتے - اسکے مطلب کو الہام مانتے ہیں - اور اصل الہامی الفاظ گم ہوگئے ہیں - تراجم در تراجم ہمارے پاس ہیں -

مسلمان - ابھی جب دو نقیض باتیں ملتی ہیں - تو الہام شدہ مطلب بھی خراب ہوگیا - دو متضاد باتوں کی تطبیق بھی لازمی ہے - ورنہ کتاب محرف و مبدل سمجھی جائیگی - اگر اصل گم ہوگیا تو ترجمہ اصل نہیں ہو سکتا - ترجمہ مترجم کا خیال ہوتا ہے - جو کسی صورت میں اصل سے نہیں مل سکتا - میں ایسے حوالجات کو نہیں مان سکتا - اول تو اصل کتاب آپکے پاس ہے ہی نہیں - اور پھر جو ہے بھی - وہ بھی نقیض باتیں پیش کرتی ہے - مثلاً اس کتاب میں سؤر ابدی حرام مکتوب ہے - اور پھر اسی کتاب سے آپ سؤر کو حلال تجویز کر رہے ہیں - آپ ان حوالجات کو ترک کرکے اصل مطلب کی طرف آویں کہ مسیح ؑ خدا کا بیٹا کیونکر ہو گیا ابھی جب چاندی میں سونے کے خواص نہیں ہیں - تو آپ سینہ زوری سے کیوں ہمیں مجبور کرکے چاندی کی بجائے سونا منواتے ہیں آپ کا یہ کہنا کہ "وہ انسان کامل بھی تھے - لہٰذا بعض انسانی کمزوریاں ضرور ہونی چاہئیں" یہ بھی درست نہیں - کیونکہ کامل انسان دنیا میں محمد صلعم جیسا ہوتا ہے - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان نہایت متقی - امام - عالم - بادشاہ - کمانڈر - بیویوں کے تعلقات میں پورا اترنیوالا اور ہمت نہ ہارنے والا ہوتا ہے -

۱۰ مساکین غربا و مسافروں پر رحم و کرم کرنیوالا - تنگی و ترشی میں راضی بقضا ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان - ۲۹ جولائی ۱۹۱۶ء

دُنیا میں امن کسطرح قایم ہوسکتا ہے
خدا تعالےٰ کے فرستادہ کے ذریعہ

اہل مغرب کی قیام امن کیلئے سعی لاحاصل

کہا جاتا تھا۔ کہ قرون ماضیہ میں جہالت اور نادانی کا دور دورہ تھا۔ اسلئے صفحہ روزگار پر جنگ وجدال کے خونفشاں منظر دکھائی دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا تھا۔ کہ زمانہ گذشتہ میں تہذیب اور شائستگی کی کمی تھی۔ اسلئے انسانی خون سے زمین کو سینچا جاتا تھا۔ بتایا جاتا تھا۔ کہ ازمنہ ماضیہ میں علم وعقل کا فقدان تھا۔ اسلئے انسان انسان کی ہلاکت اور تباہی کا موجب بنتے تھے۔ لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ وہ تہذیب کی کمی نہیں رہی۔ وہ علم سے محرومی نہیں رہی۔ اسلئے مان لینا چاہیئے۔ کہ اب صفحہ عالم پر اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ جو زمانہ جاہلیت اور بدویت کی یاد کو تازہ کر دے۔ کیونکہ اب تہذیب اور شائستگی کی بدولت انسانی زندگی کی قدر قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ علم اور عقل کی فراوانی کے باعث اتفاق و اتحاد کے نتائج شیریں سے آگاہی حاصل ہوگئی ہے۔ اور جنگ وجدال خونریزی اور خونفشانی کے نقصانات سے آگاہی ہو چکی ہے۔ ممکن تھا۔ کہ انسان اپنے ان خوش کن خیالات میں ہی غلطاں رہتے۔ اور یہ بھی ممکن تھا۔ کہ ان کے نزدیک دنیا میں امن وامان قائم رکھنا انہی کی تہذیب اور شائستگی پر منحصر ہوتا۔ لیکن خدا تعالےٰ کے زبردست ہاتھ نے ان کی سب کوششوں کو بے سود اور سب تدبیروں کو لاحاصل ثابت کر کے انہی کی زبان سے کہلا دیا۔ کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

پھر انسان ضعیف البنیان میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا۔ کہ دنیا میں امن قائم رکھنا اور کسی قسم کا شر و فساد نہ ہونے دینا میرے ہی دست قدرت میں ہے۔ چنانچہ اس مشت خاک نے یہاں تک جرأت کی تھی۔ کہ ایک "مجلس امن" قائم کر کے "قصر امن" کی تعمیر بھی شروع کر دی تھی۔ تا اس مجلس کے مہذب اور شائستہ ممبر اس قصر امن میں بیٹھ کر تمام عالم پر امن قائم رکھنے کے کام کو انجام دیں۔ اور جو ضابطے مرتب کریں۔ اس کی پابندی تمام مہذب اور متمدن اقوام عالم پر عائد کر کے امن کے شہباز سے جنگ کے دیوتا کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کرا دیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کی قدرت دیکھئے۔ وہ قصر جسکی تعمیر گویا امن اور صلح کی تعمیر تھی۔ ایسا امن شکن ثابت ہوا۔ کہ اس کی تعمیر کا ہر ایک درجہ کسی نہ کسی خلاف امن واقعہ کا ہمعصر بنا۔ چنانچہ اس زمانہ میں جبکہ اسکی تعمیر کی ابھی تجویز ہی ہو رہی تھی۔ جنوبی افریقہ کی جنگ واقعہ ہوئی۔ اس کی پیمائش کے وقت روس وجاپان کی جنگ چھڑی۔ سنگ بنیاد کے موقعہ پر قیصر ولیم کا سفر طنجہ اور پیچیدگی مسئلہ مراکش رونما ہوئی۔ منزل اول کی تکمیل پر آسٹریا نے بوسنا اور ہرسک پر قبضہ کیا۔ منزل ثانی کے آغاز پر جرمنی اور فرانس کے درمیان مراکش کے متعلق اختلاف پیدا ہوگیا۔ منزل ثانی کے خاتمہ کے قریب اٹلی اور ٹرکی کی لڑائی ہوئی۔ اور اختتام منزل ثانی پر جنگ بلقان واقعہ ہوئی۔ اور سب سے آخری نتیجہ موجودہ جنگ ہے۔ جس نے قریب قریب تمام دنیا کو مشغول رنج والم کر رکھا ہے۔

ان دردناک واقعات کا تعمیر قصر امن کے درجات کے ساتھ ساتھ رونما ہونا واضعان قوانین امن وامان کے لئے ایک ایسا سبق عبرت تھا۔ جو انہیں انسانی طاقت وہمت سے بالاتر قدرت رکھنے والی ایک ایسی ہستی کا ثبوت دیتا تھا۔ جس کے قبضہ میں دنیا کا تمام کارخانہ ہے۔ لیکن افسوس کہ انسانی کوششوں کو تکیہ گاہ بنانے والے لوگوں نے اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اور اپنی پہلی سخت ناکامی کے باوجود جو ابھی فراموش بھی نہ ہونے پائی تھی۔ اسی قسم کی ایک اور کانفرنس کے ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اور اسکا کام اضلاع متحدہ امریکہ کے سپرد کیا جانا تجویز ہوا ہے لیکن اس کی ناکامی کا بھی اسی طرح یقین کر لینا چاہیئے جس طرح پہلی کانفرنس کے واقعات نے بتا دیا ہے۔ کیونکہ دنیا کے صفحہ پر امن وامان قایم کرنا انسانی طاقت واختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ اسی ہستی کے قبضہ میں ہے جو سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست ہے۔ کیا مجوزین کانفرنس نہیں جانتے کہ ان کی پہلی کانفرنس کیوں ناکام رہی۔ اسی لئے کہ انھوں نے اپنی عقل اور فہم کے مطابق قیام امن کے قوانین تو مرتب کر لئے۔ لیکن ان کے پاس اتنی طاقت اور ہمت نہ تھی۔ کہ کسی امن شکن سلطنت کو ان کا پابند بھی کرا سکیں۔ اور جو خلاف ورزی کرے۔ اُسے کسی قسم کی سزا دے سکیں۔ اب بھی جبکہ وہی ضعف اور کمزوری ہے۔ تو کسطرح ہو سکتا ہے کہ وہ کامیاب ہو سکیں ؎

دنیا بھی کسقدر خود فراموش اور غفلت شعار ہے۔ کہ آج تک مختلف زمانوں اور مختلف اوقات میں کئی بار ایسا وقت آیا۔ جبکہ شر اور فساد رونما ہوا۔ اور امن وامان جاتا رہا ہے۔ اور ہر بار دنیا کو پھر سے امن وچین نصیب ہوتا رہا ہے۔ لیکن ان واقعات سے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ اگر ان پر نظر کی جاتی۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ کسی وقت اور کسی زمانہ میں بھی شر و فساد کے دور کرنے اور امن وامان کے قائم رکھنے کے لئے صرف انسانی کوشش اور سعی کامیاب نہیں ہو سکی۔ بلکہ خدا ہی اپنے کسی برگزیدہ کو اس کام کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ جو دنیا میں خدا کا ہاتھ بن کر امن قائم کرنے کا کام کرتا رہا ہے۔ موجودہ زمانہ کے امن طلب لوگ اگر غور سے کام لیتے۔ تو ان کے سامنے اس زمانہ کی خطرناک حالت آسانی سے آسکتی تھی۔ جس پر اس وقت تیرہ سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اور پھر اس زمانہ کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ جبکہ خدا تعالےٰ کے ایک برگزیدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کی کایا بالکل پلٹ چکی تھی۔ شر و فساد صلح وامن سے بدل چکے تھے۔ دشمنی عداوت محبت وشفقت سے تغیر پذیر ہو چکی تھی۔ کینہ وحسد۔ مدد اور تعاون کی جگہ لے چکے تھے۔ اور جہاں جہاں اس مصلح عالم کی آواز پہنچی تھی وہاں کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے تھے ؎

اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا تھا۔ کہ موجودہ زمانہ بھی کسی ایسے ہی مصلح کے ذریعہ شر و فساد اور جنگ وجدل سے پاک ہو سکیگا۔ اسلئے کسی خدا کے فرستادہ کی تلاش کرنی چاہیئے تھی۔

لیکن کسقدر افسوس اور رنج کا مقام ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کی حالت زار کو دیکھ کر اس کی اصلاح اور درستی کے لئے * امن کے شہزادہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔ جس نے دنیا کو اپنی طرف بلایا۔ لیکن دنیا نے قبول کیا۔ اب خدا کے زبردست حملے اس کی سچائی کا سکہ بٹھا رہے ہیں۔ اور غفلت لوگوں کو ہوشیار کر رہے ہیں ۔

پس اگر دنیا پر کامل امن ہو سکتا ہے۔ تو صرف آپؑ ہی کے ذریعہ اور آپ ہی کے قبول کرنے سے۔ کیونکہ آپ ہی وہ ہیں جن کو مقدس صحیفوں میں "امن کا شہزادہ" کہا گیا ہے۔ آپ سے علیحدہ ہو کر سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں حاصل ہوگا ۔

کاش وہ لوگ جو اپنے علم و عقل پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے کئی بار ناکام ہو چکے ہیں۔ اب امن کے شہزادہ کے قبول کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ تا جس گوہر گمگشتہ کی انہیں تلاش ہے۔ اُسے حاصل کرسکیں ۔

حضرت مسیح موعود کے ایک کشف پر حملہ اور اُس کا جواب

مولوی ثناء اللہ نے ۲۰ جولائی ۱۹۱۶ء کے اہلحدیث میں جیسا کہ اس کی فطرت ہے حضرت مسیح موعود کے ایک کشف پر بہت مضحکہ اڑایا ہے۔ اور بالآخر منہاج نبوت کے عنوان میں لکھا ہے۔ کہ مرزا صاحب اور مرزائی احباب کہا کرتے ہیں۔ کہ ہماری نبوۃ منہاج نبوۃ پر جانچو۔ یعنے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نبوت کے جانچنے کا طریق مقرر ہے۔ اس کے مطابق مرزا کا اندازہ کرو۔ اسلئے ہم دریافت کرتے ہیں۔ کیا پہلے نبیوں میں بھی کوئی اولوالعزم نبی ایسا ہوا ہے جس نے قضاء و قدر کے احکام بنا کر خدا کے دستخط کرائے ہوں۔ یہ کوئی خیال یاد ہو۔ تو اطلاع دیں ۔

مولوی ثناء اللہ کی اس تحریر کو پڑھ کر ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا ہے۔ کہ ان کی مولویت اور عقل کا کونسا بناء و متضاد باتیں کسطرح جمع ہو گئیں۔ کیا وہ اتنا نہیں جانتے کہ رویاء اور کشوف کا ہونا انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے پھر یہ کسقدر نادانی ہے۔ کہ ایک نبی کی رویاء یا کشف سے دوسرے نبی کی رویاء یا کشف کے توارد کا نام وہ منہاج نبوۃ رکھتے ہیں۔ اور اس خیالی معیار صداقت کی بناء پر فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ مرزا صاحب کے اس کشف کی نظیر کسی دوسرے اولوالعزم نبی میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا مرزا صاحب منہاج نبوت پر بھی پورے نہ اُترے۔ اگر مولوی صاحب کا یہ معیار صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر ان کو حضرت یوسفؑ کی نبوۃ ثابت کرنے کے لئے بھی مشکل کا سامنا ہوگا کیونکہ حضرت یوسفؑ نے سورج چاند اور ستاروں کو اپنے آگے سجدہ کرتے دیکھا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم تران اللہ یسجد لہ ...... الشمس والقمر والنجوم الایہ کہ سورج چاند اور ستارے خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ اب مولوی ثناء اللہ کے خیال کے مطابق حضرت یوسفؑ خدا ہوئے۔ پھر کیا کسی اور اولوالعزم نبی میں بھی اس رویاء کی نظیر مل سکتی ہے۔ اگر مولوی صاحب کو معلوم ہو۔ تو اطلاع دیں۔ تا ان کے فرضی منہاج نبوت کی رو سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوۃ ثابت ہو۔ ورنہ حضرت یوسفؑ بھی نبی نہ ہو سکے۔ اور اگر ان کے کشف کی نظیر نہ ہونے کے باوجود وہ نبی ہیں۔ اور ضرور ہیں۔ تو پھر اگر مرزا صاحب کے اس کشف کی نظیر کسی گذشتہ نبی میں نہ ملے۔ تو مرزا صاحب کی صداقت باطل نہیں ہوتی۔ رویاء اور کشوف تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ اس کشف کی تعبیر یہ ہے۔ کہ آپ کا خدا تعالیٰ سے بڑا بھاری تعلق ہے۔ آپ کی دعائیں مقبول ہیں ۔

باقی رہا یہ کہ سرخی حضرت مسیح موعود کے کپڑوں پر مادی رنگ میں بھی پڑ گئی۔ سو یہ ایک واقعہ ہے۔ اس کا انکار کسطرح ہو سکتا ہے۔ ایک بات جو وقوع میں نہیں آئی۔ اسکا تو انکار ہو سکتا ہے لیکن بعد وقوع اس کا انکار نادانی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد سے حلفاً مولوی ثناء اللہ دریافت کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے خیال میں اس کو فرضی اور محض افتراء یقین کرتے ہیں۔ تو ان کو چاہیئے کہ اہلحدیث میں اپنے یقین کے ثبوت میں حلف بلعنۃ اللہ علے الکاذبین شائع کر دیں۔ خدا تعالیٰ خود ہی جھوٹے اور سچے میں امتیاز کر دیگا۔ ورنہ یہ سمجھا جائیگا۔ کہ وہ دل سے اس واقعہ کی صداقت کے قائل ہیں۔ اور بظاہر ایک منافقانہ طرز اختیار کی ہوئی ہے ۔

اخبار پرکاش کی عجلت

گذشتہ دو پرچوں میں زیر عنوان "عالم نسوان" ایک مضمون شائع ہوا ہے جسکے لکھنے کی تحریک کا باعث ایک مسلمان خاتون تھی۔ چونکہ اس نے نہ صرف اخبار تہذیب النسوان میں درج شدہ مضمون کا جواب دینے کو کہا تھا۔ بلکہ یہ بھی تحریر کیا تھا۔ کہ عورتوں کے ایسے حالات کے متعلق کسیقدر تفصیل سے الفضل میں لکھا جائے۔ چنانچہ ہم نے دو پرچوں میں اسکے متعلق لکھا۔ اور بتایا کہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے حقوق اور اس سے سلوک کرنے کے متعلق کیا احکام ہیں۔ چونکہ مضمون کسی قدر طویل تھا۔ اسلئے ہم نے اسے نمبروں میں شائع کرنا مناسب سمجھا۔ اور پہلے نمبر کے خاتمہ میں لکھدیا "کہ ہم آیندہ نمبر میں بتائیں گے۔ کہ خدا تعالیٰ نے عورت کو کیا درجہ عطا کیا ہے اور اسکے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق کیا طریق بتلایا ہے"۔ چنانچہ دوسرے نمبر میں ہم نے بتفصیل ان سوالات کا جواب دیدیا۔ جو خاتون موصوف نے بھیجے تھے۔ لیکن اخبار پرکاش کا ایڈیٹر بجائے اس کے کہ مضمون کے دوسرے حصہ کی انتظار کرتا۔ پہلے حصہ کو ہی پڑھ کر جو دراصل تمہیدی تھا لکھتا ہے۔ کہ "اخبار الفضل قادیان نے اس مضمون پر دو صفحہ کا لمبا مضمون لکھا ہے۔ لیکن اسمیں جہاں یہ دعویٰ بے دلیل کیا گیا ہے۔ کہ اسلام میں عورت کا درجہ وہ ہے جو کسی مذہب میں نہیں۔ وہاں اس لڑکی کے سوال کا جواب دینے کی کوشش تک نہیں کی گئی"۔

ہم نے دوسرے نمبر میں بفضل خدا اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے وہ پرچہ بھی پرکاش کے ایڈیٹر صاحب نے ملاحظہ کر لیا ہوگا جس سے اسے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ جو درجہ اسلام نے عورت کو دیا ہے۔ وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ وہ بالکل درست ہے۔ نیز اس لڑکی کے سوالات کا بھی پورا پورا جواب دیدیا گیا ہے۔ لیکن اگر اب بھی وہ ہمارے دعویٰ کو بلا دلیل سمجھتا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ آریہ مذہب نے عورت کو جو درجہ دیا ہے۔ اُسے پیش کرے۔ اور ساتھ ہی ہمارے ایک چھوٹے سے سوال کو بھی حل کر دے۔ جو یہ ہے کہ پنڈت دیانند صاحب نے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۳ میں جہاں اور کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جس عورت کی آنکھیں بھوری ہوں۔ اُس سے بھی کوئی مرد نکاح نہ کرے اسکے متعلق فرمائیے۔ کہ (۱) بھوری آنکھ والی عورت سے کیوں نکاح نہیں کرنا چاہیئے۔ کیا طبی لحاظ سے کوئی نقص ہے (۲) یورپ کی تمام عورتیں بھوری آنکھ والی ہوتی ہیں۔ ان سے کون نکاح کرے کیا اگر کوئی یورپین لیڈی آریہ ہو جائے۔ تو اُس سے نکاح کی کیا صورت ہوگی۔ (۳) اگر پنڈت دیانند کی تعلیم کے رو سے بھوری آنکھ والی عورت سے شادی نہ کی جائے۔ تو ان کے تقاضائے شہوانی کا کیا علاج ہے۔ کیا وید نے اسکا کچھ تدارک کیا ہے یا نہیں۔ اگر کیا ہے تو پیش کرو۔ اگر نہیں کیا تو کیا عورتوں پر یہ ایک بہت بڑا ظلم نہیں ہے۔ کہ ان میں قوا تو ہوں۔ لیکن انہیں شادی کی اجازت نہ ہو۔ امید ہے کہ ایڈیٹر پرکاش ضرور اسطرف توجہ کرے گا ۔

وبیشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

تصدیق المسیح

ایک مطالبہ کا جواب

مورخہ ۲۳ جون ۱۹۱۶ء کے اہلحدیث میں ایک مضمون بعنوان "مرزائیوں سے مطالبہ" شائع ہوا ہے۔ جس میں مطالبہ کرنے والا ابن ماجہ کی معراج کی حدیث نقل کر کے لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس حدیث میں اپنی زبان سے اترنے اور دجال کے قتل کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔ مرزائی اسکا جواب دیں گے یہ کیونکر پورا ہوگا۔

مضمون نگار اگر قرآن کریم پر غور کرتا۔ تو اس کا سوال خود بخود ہی حل ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ عام طور پر مسلمانوں نے اسکو کالمہجور کر دیا ہے۔ اور اس کی سچی اور پکی تعلیم سے بالکل بے خبر پڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ جبکہ قرآن کریم حضرت عیسےٰ ؑ کو فوت شدہ قرار دیتا ہے۔ تو پھر اس قسم کی حدیثوں کے ظاہری الفاظ کو پکڑ کر بیٹھ رہنا یہودیوں کی طرح الفاظ پرستی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ہماری طرف سے وفات مسیحؑ پر بارہا بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن جب تک عوام الناس فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کا تکرار کوئی معیوب امر نہیں۔ تاہم یہاں لمبی چوڑی بحث کو چھوڑتے ہوئے وفات مسیح کے ثبوت میں صرف ایک ہی آیت پیش کی جائیگی۔ جو یہ ہے۔ سورہ مائدہ کے آخری رکوع میں حضرت عیسےٰؑ اپنی زبان سے اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو خدا تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ اذ قال اللہ یٰعیسے ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ قال سبحٰنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علےٰ کل شیء شہید۔

(ترجمہ) جب کہا اللہ تعالےٰ نے اے عیسیٰ کیا تو نے کہا لوگوں کو کہ وہ تجھ کو اور تیری ماں کو خدا کہیں۔ حضرت عیسےٰ نے کہا۔ تیری ذات پاک ہے۔ میرے لئے کب لائق ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بات کہوں۔ جسکا میں حقدار نہیں اگر میں نے ایسا کہا۔ تو تو میرے رازوں کو جانتا ہے۔ اور میں تیرے رازوں سے واقف نہیں۔ وجہ یہ کہ تو بڑا غیب دان ہے۔ میں نے ان کو وہی کہا۔ جسکا تو نے مجھے حکم دیا۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر نگران تھا جب تک کہ ان میں رہا۔ ہاں جب تو نے مجھے وفات دی۔ پھر تو ہی ان کا محافظ تھا کیونکہ تو ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔

اوّل اس آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی عدم نگرانی کی وجہ اپنی وفات بیان فرماتے ہیں۔ پس دیکھا جائے۔ کیا حضرت عیسیٰ عیسائیوں کی نگرانی کے لئے ان میں موجود ہیں۔ یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں وہ موجود نہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ فلما توفیتنی میں فا ہے جو کہ ترتیب مع التعقیب کے واسطے آتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ ان کی وفات اور ان کی نگرانی کے زمانے کے سوا کوئی اور غیر محدود زمانہ آسمان پر جانیکا انہیں نہیں گذرا لہذا ثابت ہوا۔ کہ وہ آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ عیسائیوں کا بگڑنا میری زندگی میں نہیں ہوا۔ کیونکہ میں ان کی نگرانی کرتا تھا۔ ہاں میری وفات کے بعد الٰہی تجھے ہی معلوم ہے۔ کہ وہ بگڑے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ پھر تو صرف تو ہی ان کا نگران حال رہا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ عیسائی بگڑے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں بگڑے۔ تو ضرور حضرت عیسیٰ زندہ ہوں گے۔ اور اگر بگڑ گئے ہیں۔ تو پھر ان کے وفات پا جانے میں کوئی شک باقی نہ رہا۔ اگر واقعات سامنے موجود نہ بھی ہوں۔ تو قرآن کریم ان کے بگڑنے کی ان الفاظ میں شہادت دیتا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ کہ جن لوگوں نے مسیح کو خدا کہا ہے۔ انھوں نے سخت کفر کیا ہے۔ پس آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی عیسائیوں کا بگڑا ہوا ہونا ثابت کرتا ہے۔ کہ اس وقت بھی حضرت عیسےٰؑ زندہ تھے چہ جائیکہ اب ان کو زندہ کہا جائے۔ ہم سے مطالبہ کرنے والا غور کرے۔ کہ وہ ہم سے ایک الٹا مطالبہ کرتا ہے کہ حدیث میں حضرت عیسیٰ کی اپنی زبانی بات بیان کی ہے لیکن ہم نے جو آیت پیش کی ہے۔ اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا ہی بیان درج ہے۔ البتہ ان دونوں میں یہ ایک بہت بڑا فرق ہے۔ کہ آیت درج کرنے والی وہ علیم و خبیر ہستی ہے۔ جس کو غلطی لگنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حدیث کے راویوں کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ اب مطالبہ کرنے والا خود فیصلہ کرے کہ اسے کونسی بات تسلیم کرنی چاہیئے۔ اور کونسی نہ*

ممکن ہے۔ کہ کوئی یہ سوال کرے۔ کہ اس آیت میں توفیتنی کے معنے پورا بھر لینے اور آسمان پر لے جانے کے ہیں۔ ہم اس سوال کو حضرت خاتم المرسلین کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ جو فیصلہ وہاں سے ملے۔ وہ زیادہ قابل حجت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ تیرے رب کی قسم کہ کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ اپنے اختلافات میں تجھے حکم نہ بنائے۔ اور تیرے فیصلہ کو بلا چون و چرا فراخدلی سے تسلیم نہ کرے۔

سو دیکھئے بخاری باب وفاۃ النبی صلعم آپ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر میں کھڑا ہوں گا۔ کچھ لوگوں کو ملائکہ جہنم کی طرف لے چلیں گے۔ وہ لوگ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ اور میں ان کو پہچانتا ہوں گا۔ تو میں پکاروں گا۔ اصیحابی!! اصیحابی!! کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ میرے اصحاب ہیں۔ ان کو کیوں جہنم کی طرف لے چلے ہو۔ جواب ملیگا۔ کہ تجھے معلوم نہیں۔ کہ تیرے بعد انھوں نے کیا کرتوت کئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ فاقول کما قال العبد الصالح عیسے ابن مریم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ پس میں اس وقت وہی کہوں گا۔ جو مجھ سے پہلے صالح بندہ عیسیٰ ابن مریم کہہ چکا ہے۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ کہ جب تو نے مجھے وفات دی۔ تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا

* [illegible]

میں ان کی بعد کی حالت سے بے خبر ہوں۔ پس آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے توفیتنی کے معنے واضح کر دیئے۔ ورنہ ماننا پڑے گا۔ کہ آنحضرت بھی اب تک زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ اور انھوں نے وفات نہیں پائی۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ واقعات کے خلاف ہے۔

اور پھر کیا مضمون نگار کی نگاہ اس حدیث پر نہیں پڑی وَاما حدیث النبی عاش عیسےٰ عشرین ومائۃ سنۃ زرقانی صفحہ ۴۲۱۔ اور نواب صدیق حسن خانصاحب نے بھی اس حدیث کو ترجمان القرآن میں درج کیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ایک سو بیس برس حضرت عیسےٰ زندہ رہے۔ اور ان کی ایک سو بیس برس کی عمر تو سمجھ جاتا ہے پھر تعجب ہے۔ کہ وہ کیسے ایک سو بیس برس ہیں۔ کہ ختم ہونے ہیں ہی نہیں آتے۔ آنحضرت صلعم جو حضرت عیسےٰ سے قریباً چھ سو برس بعد میں ہوئے۔ ان کی وفات کو بھی آج تیرہ سو برس ہو گئے ہیں۔ مگر ابھی تک حضرت عیسیٰ کی زندگی کے ایکسو بیس برس ختم نہیں ہوئے۔ فتدبر۔ باقی رہی وہ حدیث جو پیش کی گئی ہے۔ وہ بھی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے معراج کو رویاء کہو۔ یا مکاشفہ بہرحال یہ ماننا پڑے گا۔ کہ آپؐ کا معراج اس جسم عنصری سے نہیں ہوا۔ کیونکہ بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۸۳ میں آیا ہے۔ قال واستیقظ وھو فی المسجد الحرام۔ کہ آپ معراج کے سارے نظارے کے بعد بیدار ہوئے۔ اور اگر جسمانی معراج مانا جائے۔ تو ساتھ ہی حضرت بلال کا بھی جسمانی معراج ماننا پڑے گا۔ دیکھو بخاری کتاب الامارہ صفحہ ۲۹۲

غرض آنحضرت نے دیگر فوت شدہ انبیاء میں حضرت عیسیٰ کو بھی جنکی وفات قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ اپنے رویاء میں دیکھا جسطرح دیگر انبیاء سے آپ نے باتیں کیں۔ حضرت عیسےٰ سے بھی کیں۔ حضرت عیسیٰ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب میں اتروں گا۔ اور دجال کو قتل کرونگا قرآن کریم کی رو سے ایک فوت شدہ کا دوبارہ دنیا میں آنا ممنوع ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون کہ مرنے کے بعد پھر قیامت کو ہی دوسری بعثت ہوگی۔ پھر فرماتا ہے۔ ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ کہ جو مر چکے ہیں۔ قیامت تک وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتے۔ پھر فرماتا ہے۔ وحرام علےٰ قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون کہ جو مر گئے ہیں۔ ان کا دوبارہ دنیا میں آنا حرام اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے ایمان بالغیب بالکل اٹھ جاتا ہے۔ اور حضرت جابر کے والد کا قصہ آنحضرت صلعم کی زبانی اس بھی اس آیت کی تشریح کر دیتا ہے۔ جبکہ خدا تعالےٰ نے ان شہداء سے جن میں حضرت جابر کے والد بھی تھے۔ یہ فرمایا۔ کہ جو تم مانگو۔ میں تم کو دوں گا۔ انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ ہمیں پھر دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تا پھر تیری راہ میں ہم قتل کئے جائیں۔ تو خدا تعالےٰ نے باوجود اس وعدہ کے کہ جو تم مانگو گے میں تم کو دونگا یہ جواب دیا۔ سبق القول منی انھم لا یرجعون۔ کہ چونکہ تمہاری یہ درخواست ہمارے وعدہ انھم لا یرجعون کے خلاف ہے۔ اسلئے یہ منظور نہیں کی جاتی۔ پس حضرت عیسےٰ کے اس قول کا کہ میں دوبارہ آؤں گا۔ یہ مطلب ہے کہ ان کی روحانیت والا اور ان کا مثیل کوئی اور آدمی آئیگا جس کی آمد گویا حضرت عیسےٰ ہی کی آمد ہوگی۔ اسی لئے زرقانی جلد خامس صفحہ ۱۴۸ میں لکھا ہے۔

ان عیسےٰ یأتی واحد من ھذہ الامۃ۔ کہ جس عیسےٰ نے آنا ہے۔ وہ اسی امت کا ایک فرد ہوگا۔ اور واقعہ میں اس خیر امم کیلئے نہایت ہتک کا مقام ہوتا۔ کہ یہودی تو اس امت کے افراد بنتے۔ اور مسیحؑ حضرت موسیٰ کی امت میں سے آتا۔

امتاحمدؐ نہاں دارد دو ضدرا در وجود
میتواند شد مسیحا مے تواند شد یہود

اصل بات یہ ہے۔ کہ ہر نبی کی موت کے بعد اس کی امت کے اعمال اس کے آگے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب اس کی امت کسی گمراہی میں پڑ جاتی ہے۔ تو اسکی روح اس کی اطلاع پاکر خدا تعالےٰ کے حضور اپنی امت کی اصلاح اور راہنمائی کے لئے دعائیں کرتی ہے۔ تب خدا تعالےٰ دنیا میں اسی نبی کے کمالات والا کوئی اور شخص امت کی راہنمائی کے لئے مبعوث کرتا ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں چونکہ تمام انبیاء کی امتیں بگڑ چکی تھیں اس لئے ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں خداوند تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو جامع جمیع کمالات بنا کر دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور آخری زمانہ میں پھر چونکہ تمام امم کی یہی حالت ہو جانی تھی۔ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسےٰ کی امت نے زیادہ بگڑنا تھا جس کی وجہ سے انی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العٰلمین کی پہلے سے خدا تعالےٰ نے ان کو ڈانٹ بتائی ہوئی تھی یعنے جیسا ان کا بگڑنا سب سے زیادہ ہے۔ ویسے ہی ان کے لئے سزا بھی سب سے زیادہ رکھی تھی۔ اسلئے حضرت عیسیٰ نے اپنے مثیل کے آنے کو اپنا ہی آنا قرار دیا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے۔ کہ دیگر انبیاء نے آنحضرت سے دوبارہ آنے کو کیوں نہیں کہا۔ کیونکہ ان کی امتیں بھی تو بگڑ چکی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو فتنہ کہ مسیحؑ کی امت سے اٹھنے والا تھا۔ وہ اتنا عظیم الشان تھا۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ کہ آدم سے لیکر تمام انبیاء اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے آئے ہیں۔ اس واسطے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ تمام انبیاء سے اپنی امت کا زیادہ خوف تھا۔ اسی طرح اپنے آنے کا بھی انھوں نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ورنہ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ واذا الرسل اقتت۔ کہ آخر زمانہ میں پھر تمام انبیاء کو جمع کیا جائیگا۔ یعنے ایک شخص کو تمام انبیاء کے کمالات کا وارث بنایا جائیگا۔ مرزا صاحب بباعث آنحضرت کے کامل ظل ہونے کے تمام انبیاء کے کمالات کے وارث ہیں۔ اسی واسطے وآخرین منھم میں مسیح موعود کی آمد کو خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کی آمد قرار دیا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مثیل مسیح آپ کو اس لئے کہا گیا ہے کہ مسیح کی امت کے زیادہ بگڑنے کی وجہ سے مسیح کا کام انھوں نے زیادہ کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے ایسا صلیب کو توڑا۔ کہ آج احمدیوں کا مقابلہ کرنے کی عیسائیوں میں ہرگز طاقت نہیں۔ اسی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ اپنے شہزیوں کو احمدیوں سے گفتگو کرنے سے منع کر رکھا ہے۔

ہم نے مختصر طور پر نہایت وضاحت سے مطالبہ کا جواب دیدیا ہے۔ اگر مطالبہ کرنے والا حق اور صداقت کی پیاس رکھتا ہے۔ تو ضرور اس سے فائدہ اٹھائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خطبۂ جمعۃ المبارک

قبولیتِ دُعا کے طریق

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح والمہدی ثانی

فرمودہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۶ء

واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون (۲-۱۸۲)

دُعا قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کے اختیار میں ہے

میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بیان کیا تھا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو میں اس امر کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کو دُعا کس رنگ اور کس طریق میں کرنی چاہیئے۔ جس کے نتیجہ میں قبولیت کا وہ زیادہ امیدوار ہو۔ اور وہ کیا شرائط ہونے چاہئیں جن کے مطابق کی ہوئی دُعا خدا تعالیٰ کے حضور قبول ہو جائے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم اس کی رعایا کسی کی درخواست اور عرضی کو قبول کرنا بادشاہ کا اپنا کام ہے۔ رعایا کا نہ یہ فرض ہے نہ کام ہے۔ اور نہ حق ہے کہ بادشاہ یا حاکم ضرور ہی اسکی درخواست کو قبول کرلے اگر وہ ہر بات کو قبول کرلے۔ اور ضرور قبول کرلے تو گویا وہ نوکر ہوا۔ اور رعایا آقا۔ وہ خادم ہوا اور رعایا مخدوم۔ کیونکہ جو کسی کی ہر ایک بات ماننے کے لئے مجبور ہوتا ہے وہ آقا نہیں۔ بلکہ خادم ہوتا ہے آقا خادم کی بات ماننے کے لئے مجبور نہیں ہوتا۔ بلکہ مختار ہوتا ہے۔ اس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ چاہے تو قبول کرے۔ اس کے لئے وہ مجبور نہیں ہوتا اور چاہے تو رد کردے۔ اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نہ صرف آقا ہے۔ اور ہم خادم۔ بلکہ وہ مالک ہے اور ہم غلام۔ پھر وہ خالق ہے۔ اور ہم مخلوق۔ تو جبکہ خادم اور آقا کا تعلق بھی ایسا نازک ہوتا ہے کہ خادم کو کبھی یہ امید نہیں ہو سکتی۔ کہ میرا آقا میری ہر ایک بات کو ضرور ہی مان لیگا۔ تو ایک انسان کس طرح خیال کر سکتا ہے۔ کہ اسکی ہر ایک بات خدا تعالیٰ کو قبول کر لینی چاہیئے۔ اگر کوئی خادم یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ اسکی ہر ایک بات اس کا آقا مان لیتا ہے۔ تو اس کا یہ دعوےٰ جھوٹا ہے۔ خادم کو ہمیشہ خدمت کے مقام پر کھڑا رہنا چاہیئے اور اپنے رویہ۔ طریق اور خیالات کو اسی حد میں محدود رکھنا چاہیئے۔ جو اسکی خادمیت کے مناسب ہے۔ نہ کہ آقا بننا چاہیئے۔

ایک خیال خام

پس کسی کا یہ امید کرنا یا ایسا خیال کرنا کہ اگر میری تمام دُعائیں خدا قبول کرے۔ اور کسی کو رد نہ کرے۔ تب خدا خدا ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اسطرح کی بات ہے۔ کہ گویا نعوذ باللہ وہ انسان خدا ہے۔ اور خدا اس کا بندہ یہ آقا ہے۔ اور وہ خادم۔ یہ مالک ہے۔ اور وہ غلام۔ کیونکہ جو کسی کی ہر ایک بات ماننے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ وہ بندہ خادم اور غلام ہوتا ہے نہ کہ منوانے والا خادم اور غلام۔ تو یہ امید کرنا ہی باطل ہے کہ میری تمام کی تمام دعائیں قبول ہو جانی چاہئیں یہ خیال کوئی جاہل سے جاہل اور نادان سے نادان انسان کرے تو کرے۔ ورنہ دانا نہیں کر سکتا۔ گو آج کل کے مسلمانوں میں سے بعض اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ بعض لوگ جب مجھے دعا کے لئے لکھتے ہیں۔ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ انشاء اللہ دُعا کی جائیگی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک وہ کام نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دعا نہیں کی۔ اب آپ ضرور دعا کریں۔ ہم لکھتے ہیں کہ ہمارا کام دعا کرنا ہے وہ کرتے ہیں۔ آگے کام کرنا خدا کے اختیار میں ہے اسمیں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا۔ آپ تو جو چاہیں خدا سے منوا سکتے ہیں۔ پس ہمارا یہ کام بھی کرا دیجئے۔ تو اس قسم کے خیالات ہیں آج کل کے مسلمانوں کے۔ جو اس جہالت کا نتیجہ ہیں۔ جو ان میں پھیلی ہوئی ہے انہوں نے کسی کے بزرگ ہونے کے یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ خدا سے بھی بزرگ ہے جو چاہے کروا سکتا ہے۔ حالانکہ بزرگ کے اصل معنی یہ ہیں۔ کہ وہ لوگوں میں سے بزرگ ہے۔ جیسے کہتے ہیں باپ کا بزرگ بیٹا یعنی سب سے بڑا بیٹا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوا کرتے۔ کہ وہ اپنے باپ سے بھی بزرگ ہے۔ بلکہ یہ کہ دوسرے بھائیوں سے بزرگ ہے۔ اسی طرح خدا کے بزرگ کے یہی معنے ہیں کہ اسکی مخلوق سے بزرگ ہے اور خدا اوروں کی نسبت اس کی دعائیں زیادہ قبول کرتا ہے۔ جیسے گورنمنٹ کے اعلےٰ حکام ہوتے ہیں انکی باتیں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ مانی جاتی ہیں مگر یہ نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ ان کی سب کی سب باتیں مان لے۔ تو یہ ایک باطل عقیدہ ہے۔ جو پھیلا ہوا ہے کہ خدا کو سب دعائیں قبول کر لینی چاہیئں۔

خدا تعالیٰ کسی کی سب دعائیں قبول کرنے پر مجبور نہیں

پچھلے جمعہ کے خطبہ میں جو میں نے یہ کہا تھا کہ ایسے طریق بتاؤنگا جن سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس سے شاید کسی کے دل میں یہ بات آئی ہو کہ اگلے جمعہ میں کوئی ایسی ترکیب بتا دی جائیگی۔ جس سے جو چاہینگے خدا تعالیٰ سے منوا لینگے۔ اور اب یہ سنکر کہ خدا تعالیٰ ہر ایک دعا قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی عقلمند کو یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اسکی تمام دعائیں قبول ہو جائینگی۔ کوئی کہدے کہ پہاڑ کھودنے سے چوہا ہی نکلا ہے۔ یعنی جب کسی بڑی چیز کی امید ہو اور بہت چھوٹی چیز حاصل ہو۔ تو یہی کہا جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے یہ خیال کیا تھا کہ اگلے خطبہ جمعہ میں کوئی ایسا طریق بتا دیا جائے گا جس سے جو بات چاہینگے۔ خدا سے قبول کروا لینگے۔ تو وہ اپنے دل سے اسکو نکال دے کیونکہ یہ کفر ہے۔ اور یہ بات نہ میرے ذہن میں آئی اور نہ ہی کسی ایسے انسان کے ذہن میں آسکتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی عظمت۔ جلال۔ اور قدرت سے واقف ہے۔

میرا مدعا تو یہ تھا۔ کہ ایسا طریق بتایا جائے۔ جس سے نسبتاً خدا تعالیٰ زیادہ دعائیں قبول فرمالے۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ میں کوئی ایسا گر جانتا ہوں یا بتا سکتا ہوں یا یہ کہ میرا عقیدہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سے انسان جو چاہے منوا سکتا ہے ✤

ایک غلط فہمی کی اصلاح

پس میں پہلے اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ میں قطعاً کوئی ایسا گر نہیں بتانا چاہتا کہ جس سے آقا خادم اور خادم آقا بن جائے۔ خالق مخلوق ہو جائے۔ اور مخلوق خالق۔ مالک غلام قرار پا جائے اور غلام مالک۔ کیونکہ آقا آقا ہی ہے اور غلام غلام۔ خدا تعالیٰ ازل سے آقا ہے۔ خالق ہے۔ مالک ہے۔ رازق ہے۔ اور ہمیشہ اسی طرح رہا ہے۔ اسی طرح رہیگا۔ انسان ہمیشہ سے خادم۔ مخلوق اور مملوک رہا ہے۔ اور اسکی یہی حالت ہمیشہ رہیگی۔ حتےٰ کہ جنت میں جب اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر ہوگا۔ تو بھی یہی حالت ہوگی۔ تو اس قسم کا خیال کفر ہے۔ اور میں ہرگز ہرگز اس کا قائل نہیں۔ ہاں ایسے رنگ اور طریق ضرور ہیں کہ جن سے انسان اللہ تعالیٰ کو خوش کر کے جہاں تک آقا اور مالک۔ خالق اور مخلوق مالک اور مملوک کا تعلق ہے۔ اپنی بات منوا سکتا ہے جیسے ایک بچہ اپنے باپ سے اور شاگرد اپنے اُستاد سے منوا لیتا ہے۔ مگر ایسا کوئی بچہ نہیں ہو سکتا۔ جو باپ سے اپنی ہر بات منوا لے۔ اور نہ ایسا کوئی شاگرد ہو سکتا ہے۔ جو اُستاد سے جو چاہے منظور کروا لے۔ کوئی جاہل اور نادان باپ یا استاد ہر ایک بات مان لے تو یہ ایک الگ بات ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کسی پٹھان نے اپنے لڑکے کو پڑھانے کے لئے ایک استاد رکھا تھا۔ ایک دن اُستاد نے لڑکے کے سبق یاد نہ کرنے پر اسے سخت سُست کہا۔ تو لڑکا تلوار لیکر مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُستاد بیچارا جان بچانے کے لئے بھاگا۔ وہ اُسکے پیچھے دوڑا۔ راستہ میں لڑکے کا باپ مل گیا استاد صاحب نے سمجھا کہ اب جان بچ جائے گی۔ اس لئے اس کے پاس جا کر کہنے لگا۔ دیکھئے آپ کا لڑکا مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اسکو روکئے۔ اس نے کہا کہ بھاگو مت ٹھہر جاؤ۔ میرے بیٹے کا یہ پہلا وار ہے۔ خالی نہ جانے پائے۔ تو کوئی بیوقوف ہی ایسا کر سکتا ہے نہ کہ عقلمند۔ پس میں جو دعاؤں کے قبول ہونے کا طریق بتاؤں گا وہ ایسا ہی ہوگا۔ کہ جس سے خدا زیادہ دعائیں قبول کر لیگا۔ نہ ایسا کہ ہر ایک دعا کو قبول کر لیگا ✤

دعا قبول ہونے کا خاص طریق

پہلا طریق جس سے دعائیں قبول ہوتی اور کثرت سے خدا تعالیٰ سُنتا ہے۔ وہ تو اس قسم کا ہے کہ ہر ایک انسان اسے اختیار نہیں کر سکتا بلکہ خاص خاص انسان ہی اس پر چل سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کے کسب سے متعلق نہیں۔ بلکہ اس کے رتبہ اور مرتبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مرتبہ کا جو انسان ہوتا ہے اسکی نسبت تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اسکی ہر ایک دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ ابھی میں نے اِس بات سے انکار کیا تھا کہ انسان کی ہر ایک دعا قبول نہیں ہوتی۔ مگر اب میں نے کہا ہے کہ اس مرتبہ کے انسان کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن جب میں یہ بتاؤں گا کہ وہ مرتبہ کیا ہے۔ تو آپ لوگ خود بخود سمجھ جائینگے۔ کہ کوئی اختلاف نہیں ہے ✤

ایسا انسان جسکی سب دُعائیں قبول ہو جاتی ہیں

میں نے اس مرتبہ اور مقام کا نام آلہ یعنی ہتھیار رکھا ہوا ہے جیسے ہاتھ میں ہتھیار ہو وہ اسے جہاں چلائے چلتا ہے۔ اور اگر وہ ہتھیار ضرب نہ لگائے۔ تو اس کا قصور نہیں ہوتا۔ بلکہ چلانے والے کا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی چلانے والا یہ کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی ہتھیار چلائے۔ اور وہ نہ چلے۔ بلکہ وہ یہی چاہتا ہے۔ کہ میں جہاں بھی چلاؤں وہیں چلے۔ اسی طرح انسان پر ایک ایسا وقت آتا ہے۔ جبکہ وہ خدا کے ہاتھ میں بطور ہتھیار کے ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں کھاتا جب تک کہ خدا اُسے نہیں کھلاتا۔ وہ نہیں پیتا۔ جب تک کہ خدا اسے نہیں پلاتا۔ وہ نہیں سنتا۔ جب تک کہ خدا اسے نہیں سُناتا۔ وہ نہیں جاگتا۔ جب تک کہ خدا اسے نہیں جگاتا۔ وہ نہیں سوتا۔ جب تک کہ خدا اسے نہیں سُلاتا غرضیکہ اسکی ہر حرکت اور ہر سکون اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ایسا انسان جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اسکی نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے اس کے کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس لئے کرتا ہے۔ اور اسکی دعا کا قبول کر لینا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ جو دعا مانگی جاتی ہے۔ وہ دراصل خدا ہی نے منگوائی ہوتی ہے۔ پس چونکہ مانگنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اور دینے والا بھی اللہ ہی۔ اس لئے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اور ممکن نہیں کہ قبول نہ ہو۔ مثال کے طور پر دیکھئے :-

جس چیز کے مانگنے کا خود حکم دیا جائے اُسے نامنظور نہیں کیا جاتا۔

جب کوئی حاکم اپنے ماتحت کام کرنے والوں کا معاینہ کرنے آتے ہیں۔ تو ماتحت اپنی ضروریات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو۔ ایک ڈپٹی کمشنر تحصیل میں آیا۔ اور تحصیلدار نے اپنی ضروریات اس کے سامنے پیش کیں کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے فلاں سامان خریدنا ہے فلاں کام کروانا ہے وغیرہ وغیرہ وہ انہیں سے کچھ مان لیگا۔ اور کچھ رد کر دیگا۔ لیکن کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر خود کوئی ضرورت دیکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ چیز بھی ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے تحصیلدار کو کہتا ہے۔ کہ اس چیز کی منظوری حاصل کرنے کے لئے رپورٹ کر دو۔ وہ رپورٹ کر دیتا ہے۔ اب یہ کبھی نہ ہوگا کہ ڈپٹی کمشنر اس رپورٹ کو رد کر دے یا نامنظور کر دے کیونکہ اس کے متعلق وہ خود کہہ گیا تھا کہ کرو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے کی زبان پر خود دُعا جاری کرتا ہے۔ پس جب خود کرتا ہے۔ تو پھر اسے رد نہیں کرتا۔ یہ اس بندے کے قرب اور درجہ کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اور اگر وہ کوئی اور دُعا کرنے لگے۔ تو خدا تعالیٰ اس کے دل اور دماغ پر ایسا تصرف کر لیتا ہے کہ اس کے منہ سے وہ کلمات ہی نہیں نکلتے۔ جو وہ نکالنا چاہتا تھا۔ بلکہ ایسے کلمات نکلتے ہیں۔ جو قبول ہونیوالے ہوتے ہیں تو ایسے انسانوں

کے دُعا کرنے کے دو طریق ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام یا کشف یا وحی یا رؤیا کے ذریعے انہیں بتادیا جاتا ہے۔ کہ یہ دعا مانگو۔ دوسرا یہ کہ اگر وہ کوئی ایسی دعا مانگنے کی نیت کرے۔ جو قبول نہ ہونیوالی ہو تو خدا تعالیٰ کیطرف سے ایسا تصرف ہوتا ہے کہ ان کی نیت بالکل بدل جاتی۔ اور خواہش ہی بالکل جاتی رہتی ہے کہ دُعا کرے۔ پھر جو الفاظ اور طریق اس دعا کے کرنے کے لئے اس کے مد نظر ہوتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے اور زبان سے خدا کی طرف سے بنے بنائے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں۔ جس سے خود بھی حیران رہ جاتا ہے کہ میں کہنا کیا چاہتا تھا۔ اور کہہ کیا رہا ہوں۔ اس قسم کی دُعا میں وسعت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی کہ دو دو گھنٹے گذر جاتے ہیں۔ مگر انسان سمجھتا ہے کہ کوئی پانچ چھ منٹ ہوئے ہونگے۔ وقت گذرتے ہوئے بھی پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ ایسا محو ہوتا ہے۔ کہ اس دنیا سے اس کا دل و دماغ بالکل کھنچ جاتا ہے۔ اور صرف خدا ہی خدا اسے نظر آتا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا طریق نہیں ہے جس کے متعلق ہر ایک انسان کو کہدیا جائے کہ اس طرح کیا کرو۔ کیونکہ یہ مرتبہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا پانا کسی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے پس جبکہ یہ انسانی اختیار میں ہی نہیں۔ تو اس پر عمل کرنا یا کرسکنے کے کیا معنے؟ اس لئے میں یہ طریق بھی نہیں بتاؤں گا۔ بلکہ وہ بتاؤں گا جس میں بندے کا اختیار اور تصرف ہو۔ لیکن اس سے یہ نہیں ہو گا۔ کہ ساری کی ساری دُعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یہ کہ زیادہ قبول ہوتی ہیں ٭

دُعا قبول ہونے کا پہلا طریق

پس سب سے پہلا طریق جو میں بتانا چاہتا ہوں۔ وہ اسی آیت میں ہے۔ جو میں نے ابھی پڑھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون۔ میرے بندے جب میری نسبت سوال کریں یعنی کہیں کہ خدا کسطرح دُعا قبول کرتا ہے۔ تو کہو۔ فانی قریب۔ میں سب سے بہتر دُعا کو پورا کرسکتا ہوں کیونکہ میری ایک صفت یہ بھی ہے کہ میں ہر ایک چیز کے قریب ہوں۔ دُعا کرنے والے کے بھی۔ اور جس مدعا کے لئے دُعا کی جائے۔ اس کے بھی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال ہوسکتا تھا۔ اور وہ یہ کہ ہر ایک قریب ہونیوالا تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ایک چپڑاسی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ کہ کسی کرسی پر بیٹھ سکے اسی طرح چتر اٹھانیوالا وزیر سے بھی زیادہ بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے۔ مگر کیا وہ وزیر کی کرسی پر بیٹھنے کی جرأت کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔ تو انسان کے خدا کے نزدیک ہونے سے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ اسکی دُعا بھی قبول کرلیگا۔ اور وہ اس وجہ سے فائدہ حاصل کرلیگا۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے ایک ایسا گر بتایا ہے۔ جس میں اس سوال کا جواب بھی آجاتا ہے۔ اور جو عام طور پر فطرت انسانی میں کام کرتا نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ فلیستجیبوالی۔ تم میری ہر ایک بات مان لیا کرو۔ اور جو حکم ہم نے تمہارے لئے بھیجے ہیں۔ ان پر عمل کرو۔ اور اپنے تمام حرکات و سکنات کو شریعت کے ماتحت لے آؤ۔ تو پھر تمہاری دُعاؤں میں قبولیت بہت بڑھ جائیگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ خادم کو انعام اس وقت ملا کرتا ہے۔ جبکہ آقا خوش ہوتا ہے ٭

انعام پانے کا طریق

اگر کوئی خادم اپنے آقا کو ناراض کرکے مانگتا ہے۔ تو محروم رہتا ہے۔ اس طرح کبھی کسی کو انعام نہیں ملا کرتا۔ کیونکہ ناراضگی کا وقت ایسا نہیں ہوتا جبکہ انعام واکرام دیا جائے۔ چھوٹے بچوں ہی کو دیکھ لو۔ انہیں کوئی سمجھ نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ماں باپ سے کچھ مانگنے آئیں۔ اور انہیں غصہ میں دیکھیں۔ تو چپکے ہو کر الگ بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن جب خوشی میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ چیز لے دو وہ لے دو۔ تو بچے بھی سمجھتے ہیں کہ غصہ میں ہماری بات نہیں مانی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کوئی بلا وجہ نہیں ہوا کرتی اُسی وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ پس دُعا میں قبولیت حاصل کرنے کا ایک رنگ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال پر غور کرے۔ کہ کوئی فعل اس سے شریعت کے خلاف تو نہیں ہوگیا۔ ہر ایک کام جو وہ کرے شریعت کے ماتحت کرے۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائیگی تو اسکی دعا قبول ہو جائیگی۔ جسطرح ایک محنتی طالب علم جو اچھی طرح سبق یاد کرکے لاتا ہو۔ اُستاد کے نزدیک اسکی بات زیادہ مانی جاتی ہے۔ بہ نسبت اس لڑکے کے جو یاد کرکے نہ لاتا ہو۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ اگر طلباء نے چھٹی لینی ہو۔ تو جو لڑکا لائق ہو۔ اسے اُستاد کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ وہ چھٹی مانگے۔ اسکی ایک وجہ ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ طالب علم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسے لڑکوں نے چھٹی مانگی۔ جو سکول کا کام اچھی طرح نہیں کرتے۔ تو اُستاد کہیگا۔ کہ پڑھائی سے بچنے کے لئے چھٹی لیتے ہیں۔ اور اگر لائق لڑکے مانگیں گے۔ تو پھر ایسا خیال نہیں کیا جائیگا۔ چونکہ اُستاد پہلے ہی ان پر خوش ہوتا ہے۔ اس لئے رخصت دیدیگا۔ خدا تعالیٰ بھی اسی کی دعا قبول کرتا ہے۔ جو اسکو راضی رکھتا ہے اس لئے فرمایا۔ فلیستجیبوالی۔ میرے بندوں کو چاہیئے۔ کہ اگر وہ اپنی دعائیں قبول کروانا چاہتے ہیں تو میری باتیں مان لیا کریں۔ اگر یہ میرے احکام کو قبول کرینگے۔ اور ان پر عمل کرینگے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی دعائیں قبول ہوجائینگی۔ خدا تعالےٰ نے اپنے آپ کو مومن کا ولی قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ دوست اُسے نہیں کہتے۔ جو ہر ایک بات مان لے۔ بلکہ اُسے کہتے ہیں۔ جو کچھ مانے۔ اور کچھ منوائے۔ اللہ تعالےٰ اپنے آپ کو مومنوں کا ولی فرماتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بہت سی باتیں بندہ کی میں مان لیتا ہوں۔ اور بہت سی اسے ماننی چاہیئیں۔ خدا فرماتا ہے کہ جو مجھے پکارتا ہے۔ میں اسکی دُعا قبول کرتا ہوں۔ مگر اس کے قبول ہونے کا طریق یہ ہے کہ وہ بھی میری باتیں قبول کرے۔ وہ میرے احکام کو مانے۔ پھر اُسے جو تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئینگی۔ ان کو میں دور کروں گا۔

گویا خدا تعالیٰ ایک عہد کرتا ہے کہ تم میری باتیں مانو میں تمہاری مانوں گا۔ تو دعا کے قبول ہونے کا یہ پہلا گر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتا دیا ہے +

دعا کے قبول ہونے کا دوسرا طریق

دوسرا گر بھی اسی آیت میں ہے۔ اور وہ یہ کہ فرمایا۔ ولیؤمنوا بی اگر میرے بندے دعا قبول کروانا چاہتے ہیں۔ تو اس کا دوسرا طریق یہ ہے کہ مجھ پر ایمان بھی لائیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ زائد الفاظ ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی تمام باتیں مانیگا۔ ضرور ہے کہ وہ ایمان بھی لائے گا اور جو ایمان نہیں لائیگا۔ وہ مانیگا بھی نہیں۔ مثلاً جو نماز پڑھے گا۔ روزے رکھیگا۔ زکوٰۃ دیگا۔ حج کریگا۔ وہ یونہی نہیں کریگا۔ اور نہ ہی رسمی طور پر۔ کیونکہ رسمی طور پر کرنے کی خدا تعالیٰ نے پہلے ہی نفی فرما دی ہے کیونکہ پہلے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اگر تم شریعت کے حکموں پر عمل کروگے۔ تو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ بلکہ لفظ ہی ایسا رکھا ہے۔ جو شریعت پر عمل کرنا بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور رسم کے طور پر عمل کرنے کا ردّ بھی کر دیتا ہے۔ یعنی استجابت۔ اس کے معنی ہیں۔ کہ ایک طرف سے آواز آئے۔ اور دوسرا اسکو قبول کرکے اس پر عمل کرے۔ نہ یہ کہ کسی کے اپنے نفس میں رحم اور سخاوت ہے۔ تو وہ بھی اس کا مصداق ہوسکے۔ اور نہ ہی رسمی یا عادت کے طور پر کوئی کام کرنا اس میں داخل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میری آواز سُنے اور اس پر عمل کرے۔ اس کی دعا قبول ہوگی۔ اس طرح ایک ناقص ایمان والا شخص جو رسمی طور پر شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے یا ایک دہریّہ جو یونہی لوگوں کے ڈر سے نماز پڑھ لیتا ہے۔ داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر سوال ہوتا ہے۔ کہ ولیؤمنوا بی کے فرمانے کا کیا مطلب ہوا۔ جب پہلے سے ہی یہ شرط موجود ہے کہ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے۔ جبکہ استجابت ہو۔ اور استجابت اس وقت ہوتی ہے۔ جبکہ ایمان باللہ ہو۔ تو پھر ایمان لانے کے کیا معنے۔ استجابت جب ایمان کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ تو پہلے ایمان ہونا چاہیئے۔ اور بعد میں استجابت نہ کہ پہلے استجابت اور بعد میں ایمان اس صورت میں ایک ظاہر بین کو اختلاف نظر آتا ہے لیکن یہ بات غلط ہے۔

نکتہ

یہاں خدا تعالیٰ پر ایمان لانے سے اس کی شریعت پر ایمان لانا مراد نہیں ہے۔ بلکہ دعا کے قبول ہونے کا ایک اور گرُ بتایا ہے۔ جسکے نہ سمجھنے سے بہت سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور انکی دعائیں ردّ کی گئی ہیں۔ وہ گر یہ ہے۔ کہ انسان شریعت کے تمام احکام پر عمل کرے۔ اور دعائیں مانگے۔ مگر ساتھ ہی اجابت پر ایمان بھی رکھے۔ کہ خدا تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ شریعت کے احکام پر بڑی پابندی سے عمل کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خشیت اللہ بھی ہوتی ہے۔ بڑے خشوع وخضوع سے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ مگر پھر یہ کہتے ہیں۔ کہ فلاں اتنا بڑا کام ہے۔ اس کے متعلق دعا کہاں سنی جاسکتی ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں ہماری دعا خدا کہاں سنتا ہے۔ اس قسم کا کوئی نہ کوئی خیال شیطان ان کے دل میں ڈالدیتا ہے جس سے ان کی دعا میں قبولیّت نہیں رہتی۔ اس نقص سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تم اجابت پر بھی ایمان رکھو۔ کہ جب تم ہمارے احکام پر اچھی طرح چلوگے۔ تو میں تمہاری دعائیں قبول کرونگا جب یہ یقین ہو۔ تو پھر دعا قبول ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی زبان سے دعا تو کرتا ہے۔ لیکن اُسے یقین نہیں کہ خدا اس کی دعا قبول کرلیگا۔ تو کبھی اس کی دعا قبول نہ ہوسکیگی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بندہ کے یقین پر دعا قبول کرتا ہے۔ اگر کسی کو یقین ہی نہ ہو۔ تو لاکھ ماتھا رگڑے ناک گھساتے گھساتے دب جائے۔ حلق بیٹھ جائے کبھی دعا قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ جس کو خدا پر امید نہیں ہوتی۔ اس کی دعا وہ نہیں سنتا +

خدا کی درگاہ سے ناامید نہیں ہو جانا چاہیئے

فرماتا ہے۔ لا تایئسوا من روح اللہ۔ اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید ہو۔ اللہ کی رحمت سے کوئی ناشکرا انسان ہی ناامید ہوتا ہے۔ ورنہ جس نے اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے اس قدر نشان دیکھے ہوں۔ جن کو وہ گن بھی نہ سکتا ہو۔ وہ ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کرسکتا۔ کہ میرا فلاں کام خدا نہیں کریگا۔ اور فلاں دعا قبول نہیں ہوگی خواہ اسکی کیسی ہی خطرناک حالت ہو۔ اور کیسی ہی مشکلات اور مصائب میں گھرا ہُوا ہو۔ پھر بھی وہ یہی سمجھتا اور یہی یقین رکھتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ سے بھی یہ سب کچھ دور ہوسکتا ہے۔ اور خدا ضرور دور کریگا۔ اور اگر اسے دعا کرتے کرتے بیس سال بھی گذر جائیں۔ تو بھی یہی یقین رکھتا ہے کہ میری دعا ضائع نہیں جائیگی۔ اور اس وقت تک دعا کرنے سے باز نہیں ہٹتا جب تک کہ خدا تعالیٰ ہی منع نہ کردے کہ اب یہ دعا مت کرو۔ گو اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ لیکن آخرکار خدا تعالیٰ کے کلام کا شرف تو حاصل ہوگیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ اب دعا نہ مانگو۔ تو جب تک خدا تعالیٰ نہ کہے۔ اس وقت تک دعا کرنے سے نہیں رکنا چاہیئے۔ دعا قبول نہ ہو۔ تو بھی انسان کو یہ نہیں چاہیئے۔ کہ دعا کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ اگر اب قبول نہیں ہوئی۔ تو پھر کبھی پھر سہی دیکھو۔ بعض اوقات جب بچہ ماں باپ سے پیسہ مانگتا ہے تو اُسے نہیں بھی ملتا۔ لیکن اس کے بار بار کے اصرار پر مل ہی جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو کرنا چاہیئے۔ اگر ایک دفعہ دعا قبول نہ ہو۔ تو دوسری دفعہ سہی۔ دوسری دفعہ نہ ہو۔ تو تیسری دفعہ سہی۔ تیسری دفعہ نہ ہو تو چوتھی دفعہ سہی۔ حتیٰ کہ کبھی تو ہو ہی جائیگی۔ اس لئے مانگنے سے نہیں رکنا چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ کہ دو قسم کے گداگر ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو دروازے پر آکر مانگنے کے لئے جب آواز دیتے ہیں۔ تو کچھ لئے بغیر نہیں ٹلتے۔ ان کو نرگدا کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو آکر آواز دیتے ہیں۔ اگر کوئی دینے سے انکار کردے تو اگلے دروازہ پر چلے جاتے ہیں۔ ان کو خرگدا کہتے ہیں آپ فرماتے کہ انسان کو خدا تعالےٰ کے حضور خرگدا نہیں بننا چاہیئے۔ بلکہ نرگدا ہونا چاہیئے۔ اور اس وقت تک خدا کی درگاہ سے نہیں ہٹنا چاہیئے جب تک کچھ مل نہ چکے۔ اس طرح کرنے سے اگر دعا قبول نہ بھی

ہونی ہو۔ تو خدا تعالےٰ کسی اور ذریعہ سے ہی نفع پہنچا دیتا ہے۔ پس دوسرا گُر دعا کے قبول کروانے کا یہ ہے کہ انسان ترگدا بنے نہ کہ خر گدا۔ اور سمجھ لے کہ کچھ لیکر ہی ہٹنا ہے۔ خواہ پچاس سال ہی کیوں نہ دعا کرتا رہے پھر بھی یقین رکھے۔ کہ خدا میری دعا ضرور سُنیگا۔ یہ خیال بھی اپنے دل میں نہ آنے دے کہ نہیں سنیگا۔ اگرچہ جس کام یا مقصد کے لئے وہ دُعا کرتا ہو۔ وہ بظاہر ختم شدہ ہی کیوں نہ نظر آئے۔ پھر بھی دعا کرتا ہی جائے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

لکھا ہے۔ ایک بزرگ ہر روز دُعا مانگا کرتے تھے۔ ایک دن جبکہ وہ دُعا مانگ رہے تھے۔ ان کا ایک مُرید آکر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس وقت ان کو الہام ہُوا جو اس مرید کو بھی سنائی دیا۔ لیکن وہ ادب کی خاطر چپکا ہو رہا۔ اور اس کے متعلق کچھ نہ کہا۔ دوسرے دن پھر جب انہوں نے دعا مانگنی شروع کی۔ تو وہی الہام ہُوا۔ جسے اس مرید نے بھی سُنا۔ اس دن بھی وہ چپ رہا۔ تیسرے دن پھر وہی الہام ہُوا۔ اس دن اس سے نہ رہا گیا۔ اس لئے اس بزرگ کو کہنے لگا کہ آج تیسرا دن ہے کہ میں سُنتا ہوں۔ ہر روز آپ کو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کرونگا جب خدا تعالےٰ نے یہ فرما دیا ہے۔ تو پھر آپ کیوں کرتے ہیں۔ جانے دیں۔ انہوں نے کہا نادان تُو تو صرف تین دن خدا کی طرف سے یہ الہام سُنکر گھبرا گیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جانے دو۔ دعا ہی نہ کرو۔ مگر مجھے تیس سال ہوئے ہیں یہی الہام سنتے لیکن میں نہیں گھبرایا۔ اور نہ نا امید ہوا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا کام قبول کرنا ہے۔ اور میرا کام دعا مانگنا۔ تو خواہ مخواہ دخل دینے والا کون ہے۔ وہ اپنا کام کر رہا ہے۔ میں اپنا کر رہا ہوں۔ لکھا ہے۔ دوسرے ہی دن الہام ہُوا کہ تم نے تیس سال کے عرصہ میں جسقدر دعائیں کی تھیں۔ ہم نے وہ سب قبول کر لی ہیں۔ تو اللہ سے کبھی نا امید نہیں ہونا چاہیئے۔ نا امید ہونے والے پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے جو شخص نا امید ہوتا ہے۔ وہ سوچے کہ کونسی کمی ہے۔ جو اس کے لئے خدا نے پُوری نہیں کی۔ کیسے کیسے فضل بعد کیسے کیسے انعام ہوئے اور ہو رہے ہیں پھر آیندہ نا اُمید ہونے کی کیا وجہ ہے ❊

دُعا مانگتے رہو

پس دُعا مانگنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعمال کو شریعت کے مطابق کرے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جسطرح ماں باپ بھی اسی بچے کی باتیں مانتے ہیں جو ان کی مانتے۔ اور پوری پوری فرمانبرداری کرے جو ان کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی باتوں کی وہ بھی نہیں کرتے۔ پھر اُستاد اسی لڑکے کی بات مانتا ہے۔ جو محنتی اور اچھی طرح سبق یاد کرنے والا ہو اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے فرمانبردار بندوں کی نافرمان بندوں سے زیادہ مانتا ہے ❊

پس تم لوگ اول تو یہ کہ اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق بناؤ۔ اور دوسرے یہ کہ خدا کے فضل اور رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ بلکہ دعا کرتے وقت یہ پختہ یقین رکھو۔ کہ خدا تعالیٰ تمہاری دُعا ضرور سنیگا اور ضرور سُنیگا۔ اور اس وقت تک دُعا کرتے رہو کہ خدا کی طرف سے یہ حکم نہ آجائے۔ کہ اب یہ دُعا مت مانگو۔ لیکن جب تک خدا تعالےٰ کسی کو یہ نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں تمہاری دُعا قبول نہیں کرتا۔ اس وقت تک ہرگز ہرگز باز نہ رہو۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا یہ کہنا کہ میں تمہاری دعا قبول نہیں کرتا۔ گویا اشارتاً یہ کہنا ہے کہ اے میرے بندے تو مانگتا جا۔ میں گو اس وقت قبول نہیں کرتا۔ لیکن کسی وقت کر ضرور لوں گا۔ ورنہ اگر اس کہنے سے یہ مُراد نہ ہوتی۔ بلکہ دعا کرنے سے روکنا ہوتا۔ تو خدا تعالےٰ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ دُعا مت مانگ نہ یہ کہ میں نہیں مانوں گا۔ پس جب تک کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں کہ "یہ دعا مت مانگ" "اس کے مانگنے کی میں تمہیں اجازت نہیں دیتا" اس وقت تک نہیں رکنا چاہیئے جسطرح تو ان کو مطلع کیا جاتا ہے جنھیں الہام اور کشف کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور جنھیں یہ نہ ہو ان کو اسبات سے متنفر کر دیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق وہ دُعا کر رہے ہیں ❊

دُعا کرنے سے کس وقت رکنا چاہیئے۔

جن پر الہام اور وحی کا دروازہ کھلا ہوتا ہے۔ ان کو تو خدا کہدیتا ہے کہ ایسا مت کرو لیکن جن کے لئے نہیں ہوتا۔ ان کے دل میں نفرت پیدا کر دیجاتی ہے۔ اس لئے وہ خود ہی اس دُعا کے مانگنے سے باز رہ جاتے ہیں۔ اس کا نام مایوسی نہیں۔ بلکہ ان کا یہ تو یقین ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارا فلاں مقصد پُورا کر سکتا۔ اور ہمیں فلاں چیز دے سکتا ہے لیکن ہم خود ہی اُسے نہیں لینا چاہتے۔ پس اگر کسی کے دل میں دُعا مانگتے ہوئے اس چیز سے نفرت پیدا ہو جائے تو اسے بھی دُعا کرنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ ورنہ نہیں رکنا چاہیئے۔ خواہ قبولیت میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگ جائے۔ بعض دفعہ دعا کرتے کرتے کچھ ایسے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر دعا قبول ہو جائے۔ تو اس سے شریعت کا کوئی حکم ٹوٹتا ہے✻۔ اس سے بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اس دُعا سے باز رہنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کے دعا کو قبول کرنے سے انکار کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے۔ یعنی بجائے قول کے خدا تعالیٰ کا فعل سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے اس کے کرنے سے رک جانا چاہیئے۔ تو دُعا کرنے سے رکنے کے تین پہلو ہیں۔ اوّل یہ کہ الہام یا کشف ہو جائے کہ یہ دُعا مت کرو یا ہماری طرف سے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دُعا کی جائے۔ اس سے نفرت پیدا ہو جائے

✻ میرے خیال میں اس کی یہ مثال ہے۔ کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح ہو جانے کے لئے دعا کرتا ہے لیکن پیشتر اس کے کہ اس سے اس کا نکاح ہو وہ عورت اس کے دوست کے نکاح میں آجاتی ہے۔ اب وہ چونکہ اس کے لئے محرمات میں داخل ہو گئی ہے۔ اس لئے اگر اسکی دعا قبول ہو جائے تو شریعت کا یہ حکم ٹوٹتا ہے کہ محرمات سے نکاح کرنا جائز نہیں پس اس کی دعا میں یہ ایک ایسی روک واقعہ ہو گئی ہے جس

سوم - یہ کہ جس بات کے لئے دعا کی جائے - وہ شریعت کے محذورات کے ساتھ وابستہ ہو جائے - اگر ان تینوں حالتوں میں سے کوئی حالت بھی نہ ہو تو دعا کرنے سے کبھی نہیں رکنا چاہیئے - اور کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے - بلکہ یہی سمجھنا چاہیئے - کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ جو مانگنے کا موقع دیا ہوا ہے - اس میں مانگتا ہی جاؤں گا - تاکہ یہ ضائع نہ جائے - جب کوئی اس طرح کہے گا تو ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی دعا یا تو قبول کر لیگا - یا ان تینوں طریقوں میں سے کسی نے اُسے روک دیگا - (ان تینوں کے علاوہ ابھی تک اور کوئی روک میری سمجھ میں نہیں آئی) لیکن اگر روک بھی ہے - تو کیا دعا مانگنے کا یہ تھوڑا فائدہ اور نفع ہے کہ خداوند تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف حاصل ہو گیا - اور خدا تعالےٰ نے اُسے اس قابل سمجھا کہ مخاطب کرے ۔

آج میں دُعا کے قبول ہونے کے صرف یہی دُو طریق بتاتا ہوں - اور بھی ہیں - مگر وقت تنگ ہو رہا ہے - اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں ان کو انشاء اللہ بیان کر دوں گا ۔

اشتہارات

ضرورتِ نکاح

عاجز کو اپنے ان چند مخلص احمدی دوستوں کے نکاح کا فکر ہے - معاملہ کو بابرکت بنانے کے واسطے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں دُعا کے لئے عریضہ روانہ کیا جاویگا - اور نکاح بھی انشاء اللہ تعالیٰ قادیان میں ہی پڑھا جاویگا - خط و کتابت میرے نام پر ہو ۔

(۱) اس مخلص بھائی کی بیوی فوت ہو گئی ہے کوئی بچہ باقی نہیں - عمر ۳۰ سال - ملازم محکمہ ریلوے - تنخواہ ۳۰ روپے ماہوار - باشندہ ضلع گجرات ۔

(۲) جوشیلا احمدی - کنوارا - عمر ۱۸ سال - تنخواہ ۲۵ روپے ماہوار - خوبصورت، نوجوان - سلسلے کی تائید میں خوش الحانی سے نظمیں پڑھ کر احباب کو محظوظ کرتا رہتا ہے ۔

(۳) غریب مخلص احمدی ہے - کنوارا عمر ۲۴ سال باشندہ ضلع سیالکوٹ - پندرہ روپے ماہوار کا کاروبار کر لیتا ہے - احمدیت کی وجہ سے غیر احمدی رشتہ داروں نے رشتہ چھڑا لیا ہے - چند مخلص دوست اس کی امداد کے لئے کچھ زیور بھی دینے کو تیار ہیں ۔

(۴) پہلی بیوی فوت ہو گئی ہے - عمر پچاس سال سے کم ہے - بیوہ کی ضرورت ہے - نہر کے پٹواری ہیں نمبر مربع اور چار صد تک زیور موجود ہے - پُرانے مخلص احمدی ہیں ۔

مزید حالات بذریعہ خط و کتابت معلوم ہو سکتی ہیں

عاجز سید غلام حسین خادم اور سیر کنیش خادم حصار

مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نور الدین

یعنی سوانح عمری حضرت خلیفۃ المسیح اول جسکی قیمت ۱۲ تھی چونکہ جلدیں تھوڑی رہ گئی ہیں - اس لئے رعایتی قیمت ایک روپیہ (عہ) کر دیگئی ہے ۔

محمد یامین احمدی تاجر کتب قادیان

فہرست کتب موجودہ دفتر الفضل

کلام محمود ۴ر - سیاحت شملہ ۳ر - تجلیات نور حصہ اول و دوم ۴ - ضرورت مذہب ۱ر - اسلام بذریعہ شمشیر پھیلا یا بذریعہ تبلیغ ۲ر - پیغام مسیح اور توشہ درس قرآن کریم ۱۲ر - ملنے کا پتہ :- (مینیجر الفضل قادیان)

ضرورت نکاح

ایک صاحب ارائیں قوم کے ملتان میں محکمہ نہر کے پٹواری ہیں احمدی ہیں ابھی اہلیہ فوت ہو گئی ہے - اولاد دو لڑکیاں ہیں ایک کی شادی ہو چکی ہے - دوسری کی ہونے والی ہے - عمر ۴۵ سال - باشندہ ضلع گورداسپور - وطن میں بھی ملکیت ہے - قادیان میں بھی ۸۰۰ روپے کی اراضی واسطے مکانات رہائشی خرید کی ہے - لائل پور میں ایک مربع اراضی ہے - وہ چاہتے ہیں کہ نکاح کریں - بیوہ ہو کنواری جو صاحب ان سے رشتہ کرنا چاہیں - معرفت مینیجر الفضل خط و کتابت کریں ۔

ٹکٹ ایک آنہ (۱ر) کا ہر خط کے ساتھ آئے ۔

الخطبہ

ایک صاحب ہیں مخلص احمدی - بردبار - محکمہ ریلوے لاہور میں تیس ۳۰ روپے ماہوار پر ملازم (ا) عمر ۳۴ سال (ب) قوم چیمہ زمیندار (ج) زیور تین سو روپیہ (د) بونس ریلوے خزانہ میں ایک ہزار جمع ۔

ان کی بیوی فوت ہو گئی - مرحومہ کے بطن سے جو بچے تھے وہ بھی عالم جاودانی کو سدھار چکے - ان کے نکاح کا بندوبست کرنا ہے - پس جو صاحب چاہیں وہ بذریعہ خط و کتابت کریں - معرفت مینیجر الفضل قادیان دارالامان ۔

خط کے ساتھ ایک آنہ (۱ر) کا ٹکٹ آنا چاہیئے

بلا مبالغہ سچا اشتہار

مقوی اعصاب گولیاں

یہ گولیاں ہر قسم کے ضعف اعصاب کو دور کرتی ہیں چونکہ اعصاب کا مدار دماغ ہے - اور ان کا جال تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے - اس لئے یہ گولیاں مقوی دماغ - مقوی معدہ - مقوی حافظہ اور کثرت بول کے لئے بہت مفید ہیں دماغی محنت کی تھکان کو رفع کر دیتی ہیں - اسی طرح اور بھی بعض فوائد ہیں - قیمت فی درجن ایک روپیہ (عہ) ایک درجن سے اوپر فی گولی ۱ر - اور فیصدی چھ روپے چار آنہ - لیکن اخبار الفضل کے حوالہ سے منگوانے والوں کے لئے ایک روپیہ میں پندرہ گولیاں - اس سے اوپر فی گولی ۱ر اور فی سینکڑہ پانچ روپے آٹھ آنہ ۔

پرچہ ترکیب استعمال دوائی کے ساتھ بھیجا جائیگا ۔

ملنے کا پتہ :- حکیم محمد الدین احمدی - گوجرانوالہ

تصدیق حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ

حکیم صاحب نہایت مخلص اور پرانے احمدی ہیں اور علم طب میں پرانا تجربہ رکھتے ہیں - حضرت خلیفہ اول بھی آپکی بعض دواؤں کو استعمال

(الف)

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا)

(ب)

(پ)

(خ)

خطبات جمعہ ۔

(37)

(د)

(ڈ)

(ر)

ریویو

(ز)

(س)

(ش)

(ص)

(ض)

(ط)

(ع)

(غ)

(ف)

(ق)

(ک)

(گ)

(ل)

(م)